

لوگوں کو ہے نور شید جہاں تاب کا دھوکا

بہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغِ ہنساں اور

لیتا، نہ اگر دل تمہیں دیتا، کوئی دم چہن

کرتا، جو نہ مرتا، کوئی دن آہ و فغاں اور

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے

رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے

کہتے ہیں کہ ”غالب کا ہے اندازِ بیاں اور“

اس لیے کر رہے ہیں، مجھے اپنے

دام میں خوب الجھائیں، پھر محبوبانہ

نازدانہ سے بری طرح خبریں۔

۲۔ شرح : بظاہر معلوم

ہوتا ہے کہ محبوب سے خلوت میں

ملاقات کی درخواست کی جا رہی

ہے، لیکن صاف صاف اور

کھل کر اس لیے نہیں کہہ سکتے

کہ شاید عتاب نازل ہو۔ اشاروں

کنا یوں سے مطلب سمجھانا چاہتے

ہیں اور محبوب سمجھتا نہیں، لہذا

مجبور ہو کر خدا سے دعا کرتے ہیں

کہ اگر مجھے دوسری زبان نہیں مل سکتی، جو اپنا مدعا ٹھیک ٹھیک سمجھا سکے تو محبوب ہی کو

کوئی اور دل دے دے، جو آسانی سے میری بات سمجھ سکے۔

اس شعر کا تعلق محبوب کے ساتھ معاملات کی صفائی سے بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی محبوب

نے بعض حرکتوں پر ناراضی ظاہر کی، عاشق نے اپنی طرف سے صفائی پیش کی۔ عاشق کا موقف

محبوب کی سمجھ میں نہیں آتا اور عاشق پریشان ہو کر کہتا ہے کہ اے اللہ! مجھے دوسری زبان

نہیں مل سکتی تو محبوب ہی کو دوسرا دل دے دے۔

خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ شعر بظاہر معشوق کے حق میں معلوم ہوتا ہے، مگر اس میں درپردہ

ان لوگوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو مرزا کے کلام کو بے معنی یا بعید الفہم سمجھتے تھے۔

اس صورت میں مرزا کی مراد یہ ہے کہ اگر لوگوں نے میری باتیں نہیں سمجھیں اور آئندہ

بھی ان سے سمجھنے کی امید نہیں رکھتی جا سکتی تو خدا کی بارگاہ میں یہی گزارش پیش کی جا سکتی

ہے کہ مجھے دوسری زبان نہیں مل سکتی تو ان لوگوں کو دوسرے دل دے دیے جائیں۔